ٱلشَّمۡس Ash-Shams

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

Name

The Surah has been so designated after the word *ash-shams* with which it opens.

Period of Revelation

The subject matter and the style show that this Surah was revealed in the earliest period at Makkah at a stage when opposition to the Prophet (peace be upon him) had grown very strong and intense.

Theme and Subject Matter

Its theme is to distinguish the good from the evil and to warn the people, who were refusing to understand this

distinction and insisting on following the evil way of the evil end.

In view of the subject matter this Surah consists of two parts. The first part consists of verses 1-10, and the second of verses 11-15. The first part deals with three things:

1. That just as the sun and the moon, the day and the night, the earth and the sky, are different from each other and contradictory in their effects and results, so are the good and the evil different from each other and contradictory in their effects and results; they are neither alike in their outward appearance nor can they be alike in their results.

2. That Allah after giving the human self powers of the body, sense and mind has not left it uninformed in the world, but has instilled into his unconscious by means of a natural inspiration the distinction between good and evil, right and wrong, and the sense of the good to be good and of the evil to be evil.

3. That the future of man depends on how by using the powers of discrimination, will and judgment that Allah has endowed him with, he develops the good and suppresses the evil tendencies of the self. If he develops the good inclination and frees his self of the evil inclinations, he will attain to eternal success, and if, on the contrary, he suppresses the good and promotes the evil, he will meet with disappointment and failure.

In the second part citing the historical precedent of the people of Thamud the significance of Prophethood has been brought out. A Messenger is raised in the world, because

the inspirational knowledge of good and evil that Allah has placed in human nature, is by itself not enough for the guidance of man, but on account of his failure to understand it fully man has been proposing wrong criteria and theories of good and evil and thus going astray. That is why Allah sent down clear and definite revelation to the Prophets (peace be upon them) to augment man's natural inspiration so that they may expound to the people as to what is good and what is evil. Likewise, the Prophet Salih (peace be upon him) was sent to the people of Thamud, but the people overwhelmed by the evil of their self, had become so rebellious that they rejected him. And when he presented before them the miracle of the she camel, as demanded by themselves, the most wretched one of them, in spite of his warning, hamstrung it, in accordance with the will and desire of the people. Consequently, the entire tribe was overtaken by a disaster.

While narrating this story of the Thamud nowhere in the Surah has it been said: O people of Quraish, if you rejected your Prophet, Muhammad (peace be upon him), as the Thamud had rejected theirs, you too would meet with the same fate as they met. The conditions at that time in Makkah were similar to those that had been created by the wicked among the people of Thamud against the Prophet Salih (peace be upon him). Therefore, the narration of this story in those conditions was by itself enough to suggest to the people of Makkah how precisely this historical precedent applied to them.

پہلے ہی لفظ الشمس کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

مضمون اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی مکۂ معظمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ مگر اس کا نزول اس زمانے میں ہوا جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔

موضوع اور مضمون

اس کا موضوع نیکی اور بدی کا فرق سمجھانا اور ان لوگوں کو برے انجام سے ڈرانا ہے جو اس فرق کو سمجھنے سے انکار اور بدی کی راہ چلنے پر اصرار کرتے ہیں۔

مضمون کے لحاظ سے یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ سورت کے آغاز سے شروع ہو کر آیت 10 پر ختم ہوتا ہے، اور دوسرا حصہ آیت 11 سے آخر تک چلتا ہے۔ پہلے حصہ میں تین باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح سورج اور چاند، دن اور رات، زمین اور آسمان ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار و نتائج میں متضاد ہیں، اسی طرح نیکی اور بدی بھی ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار و نتائج میں متضاد ہیں۔ یہ دونوں نہ اپنی شکل میں یکساں ہیں اور نہ ان کے نتائج یکساں ہو سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے نفسِ انسانی کو جسم، حواس اور ذہن کی قوتیں دے کر دنیا میں بالکل بے خبر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ایک فطری الہام کے ذریعہ سے اس کے لاشعور میں نیکی اور بدی کا فرق، بھلے اور برے کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس اتار دیا ہے۔ تیسرے یہ کہ انسان کے مستقبل کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے اندر تمیز، ارادے اور فیصلے کی جو قوتیں اللہ نے رکھ دی ہیں ان کو استعمال کر کے وہ اپنے نفس کے اچھے اور برے رجحانات میں سے کس کو ابھارتا ہے اور کس کو دباتا ہے۔ اگر وہ اچھے رجحانات کو ابھارے اور برے رجحانات سے اپنے نفس کو پاک کرے تو فلاح پائے گا۔ اور اس کے برعکس اگر وہ نفس کی اچھائی کو دبائے اور برائی کو ابھارے تو نامراد ہو گا۔

دوسرے حصے میں قوم ثمود کی تاریخی نظیر کو پیش کرتے ہوئے رسالت کی اہمیت سمجھائی گئی ہے۔ رسول دنیا

میں اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ بھلائی اور برائی کا جو الہامی علم اللہ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے وہ بجائے خود انسان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی انسان خیر و شر کے غلط فلسفے اور معیار تجویز کر کر کے گمراہ ہوتا رہا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالٰی نے اس فطری الہام کی مدد کے لیے انبیاء علیہم السلام پر واضح اور صاف صاف وحی نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو کھول کر بتائیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا۔ ایسے ہی ایک نبی، حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مگر وہ اپنے نفس کی برائی میں غرق ہو کر اتنی سرکش ہو گئی تھی کہ اُس نے اُن کو جھٹلا دیا، اور اُس کا منہ مانگا معجزہ جب انہوں نے ایک اونٹنی کی شکل میں پیش کیا تو اُن کی تنبیہ کے باوجود اُس قوم کے ایک شریر ترین آدمی نے ساری قوم کی خواہش اور طلب کے مطابق اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ آخر کار یہ ہوا کہ پوری قوم تباہ کر کے رکھ دی گئی۔

ثمود کا یہ قصہ پیش کرتے ہوئے پوری سورت میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اے قوم قریش، اگر تم ثمود کی طرح اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاؤ گے تو وہی انجام دیکھو گے جو ثمود نے دیکھا ہے۔ مکہ میں اس وقت حالات وہی موجود تھے جو صالح علیہ السلام کے مقابلے میں قوم ثمود کے اشرار نے پیدا کر رکھے تھے۔ اس لیے اُن حالات میں یہ قصہ سنا دینا بجائے خود اہل مکہ کو یہ سمجھا دینے کے لیے کافی تھا کہ ثمود کی یہ تاریخی نظیر ان پر کس طرح چسپاں ہو رہی ہے۔

In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful.	اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
1. By the sun and its brightness. *1	قسم ہے سورج کی اور اسکی روشنی کی۔ *1	وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىہَا ۙ﴿۱﴾

*1 The word *duha* as used in the original applies both to the light of the sun and to its heat. Although in Arabic its well known meaning is the time between sunrise and meridian when the sun has risen high, at that height it does not only

give light but heat too. Therefore, when the word *duha* is attributed to the sun, its full meaning can be expressed more appropriately by its radiant brightness than by its light, or by the time of the day that it indicates.

*1 اصل میں لفظ ضحیٰ استعمال کیا گیا ہے جو سورج کی روشنی اور اس کی حرارت، دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ عربی زبان میں اس کے معروف معنی چاشت کے وقت کے ہیں جبکہ سورج طلوع ہونے کے بعد خاصا بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن جب سورج چڑھتا ہے تو صرف روشنی ہی نہیں دیتا بلکہ گرمی بھی دیتا ہے، اس لیے ضحیٰ کا لفظ جب سورج کی طرف منسوب ہو تو اس کا پورا مفہوم اُس کی روشنی، یا اُس کی بدولت نکلنے والے دن کے بجائے اُس کی دُھوپ ہی سے زیادہ صحیح طور پر ادا ہوتا ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ﴿٢﴾	اور چاند کی جب وہ اسکے پیچھے چلے۔	2. And the moon when it follows it.
وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ﴿٣﴾	اور دن کی جب وہ اسے روشن کر دے۔	3. And the day when it shows up its brightness.
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ﴿٤﴾	اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے۔ *2	4. And the night when it covers it up. *2

*2 That is, when the night comes, the sun hides and its light remains hidden throughout the night. This state has been described, saying that the night covers up the sun, for the night actually signifies the sun's hiding behind the horizon because of which its light cannot reach that part of the earth where the night has fallen.

*2 یعنی رات کی آمد پر سورج چھپ جاتا ہے اور اُس کی روشنی رات بھر غائب رہتی ہے۔ اس کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ رات سورج کو ڈھانک لیتی ہے، کیونکہ رات کی اصل حقیقت سورج کا افق سے نیچے اُتر جانا

ہے، جس کی وجہ سے اُس کی روشنی زمین کے اُس حصے تک نہیں پہنچ سکتی جہاں رات طاری ہو گئی ہو۔

5. And the heaven and He who built it. *3	اور آسمان کی اور وہ جسنے اسے بنایا۔ *3	وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝٥

*3 Who established it: Who established it like a vault over the earth. In this verse and in the two succeeding verses, the word *ma* has been used. A section of the commentators has taken this *ma* as an infinitive, and interpreted these verses to mean: By the heaven and its being established, by the earth and its being spread out, and by the human self and its being balanced. But this meaning is not correct for the reason that the following sentence: Then inspired it with its wickedness and its piety, does not fit in with the context. Other commentators have taken *ma* here in the meaning of *mun* or *alladhi* and they interpret the sentence to mean: Who established the heaven, who spread out the earth, and who balanced the human self. This second meaning is correct in our view, and no one can object that *ma* in Arabic is used of lifeless things and irrational creatures, For in the Quran itself there are numerous instances that *ma* has been used in the meaning of *mun*, e.g. *wala antum abiduna ma aabud* (nor are you the worshippers of Him Whom I worship), *fankihu ma taba lakun-mia-an-nisa* (so, marry from among the women those whom you like), *wala tankihu ma nakaha abaaukum min-nisa* (do not marry those women whom your fathers had married).

*3 یعنی چھت کی طرح اُسے زمین پر اٹھا کھڑا کیا۔ اِس آیت اور اس کے بعد کی دو آیتوں میں ما کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی مَا بَنٰهَا اور مَا طَحٰهَا اور مَا سَوّٰهَا ۔ اِس لفظ ما کو مفسرین کے ایک گروہ نے مصدری معنوں میں لیا

ہے اور وہ اِن آیتوں کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ آسمان اور اس کے قائم کیے جانے کی قسم، زمین اور اس کے بچھائے جانے کی قسم ، اور نفس اور اس کے ہموار کیے جانے کی قسم۔ لیکن یہ معنی اس لیے درست نہیں ہیں کہ ان تین فقروں کے بعد یہ فقرہ کہ " پھر اُس کی بدی اور اُس کی پرہیزگاری اُس پر الہام کر دی" اِس سلسلۂ کلام کے ساتھ ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ دوسرے مفسرین نے یہاں ما کو مَنْ یا الذّی کے معنی میں لیا ہے، اور وہ اِن فقروں کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جس نے آسمان کو قائم کیا، جس نے زمین کو بچھایا اور جس نے نفس کو ہموار کیا۔ یہی دوسرا مطلب ہمارے نزدیک صحیح ہے، اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ما عربی زبان میں بے جان اشیاء اور بے عقل مخلوقات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خود قرآن میں اِس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ ما کو مَنْ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں)۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (پس عورتوں میں جو تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو)۔ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو)۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۙ﴿۶﴾	اور زمین کی اور وہ جس نے اسے پھیلایا۔	6. And the earth and He who spread it.
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ﴿۷﴾	اور نفس انسانی کی اور وہ جس نے اسے درست کیا۔	7. And the human soul and He who proportioned it.

*4 Proportioned it: Gave man such a body which by virtue of its erect stature, its hands and feet, and its brain was most appropriate for him to live as man in the world. He blessed him with the senses of sight, hearing, touch, taste and smell which on account of their combination and their characteristics could become the best means of obtaining knowledge for him. He endowed him with the faculties of thinking, reasoning, imagination, memory, discrimination,

judgment, will-power and such other mental powers by virtue of which he is able to perform the functions fit for man in the world. In addition, proportioning also means that man was not created a sinner by birth and a criminal by instinct but on right and sound nature, and was not characterized with any inborn crookedness because of which he may be unable to adopt the right path even if he wanted to do so. This same thing has been expressed in Surah Ar-Room, saying: Be steadfast on the nature whereupon Allah has created mankind, (verse 30), and the same has been explained by the Prophet (peace be upon him) in a Hadith, saying: Every new-born child is born on true human nature; it is his parents who make him a Jew or a Christian or a Magian afterwards. Its example is of an animal giving birth to complete and sound young one. Do you find any one with a torn or slit ear? (Bukhari, Muslim). That is, it is the polytheistic people who on account of their superstitions of ignorance tear and slit the ears of animals afterwards; otherwise God does not cause an animal to be born with torn ears from its mother's belly. In another Hadith the Prophet (peace be upon him) said: My Lord says: I had created all My servants on true faith (i.e. on sound nature); then the satans came and led them astray from their faith (i.e.. the true natural faith) and made unlawful what I had made lawful for them, and commanded them to associate with Me those for whom I had sent down no authority. (Musnad Ahmad; Muslim also has related a saying from the Prophet (peace be upon him) in similar words).

4* ہموار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسا جسم عطا کیا جو اپنے قامتِ راست اور اپنے ہاتھ پاؤں، اور اپنے دماغ کے اعتبار سے انسان کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے موزوں ترین تھا۔ اُس کو دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کے ایسے حواس عطا کیے جو اپنے تناسب اور اپنی خصوصیات کی بنا پر اس کے لیے بہترین ذریعۂ علم بن سکتے تھے۔ اس کو قوتِ عقل و فکر، قوتِ استدلال و استنباط، قوتِ خیال، قوتِ حافظہ، قوتِ تمیز، قوتِ فیصلہ، قوتِ ارادی اور دوسری ایسی ذہنی قوتیں عطا کیں جن کی بدولت وہ دنیا میں اُس کام کے قابل ہوا جو انسان کے کرنے کا ہے۔ اس کے علاوہ ہموار کرنے میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اُسے پیدائشی گناہ گار اور جبلی بدمعاش بنا کر نہیں بلکہ راست اور سیدھی فطرت پر پیدا کیا اور اس کی ساخت میں کوئی خلقی کجی نہیں رکھ دی کہ وہ سیدھی راہ اختیار کرنا چاہے بھی تو نہ کر سکے۔ یہی بات ہے جسے سورۂ روم میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، "قائم ہو جاؤ اُس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے" (آیت ۳۰)۔ اور اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے کہ "کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت کے سوا کسی اور چیز پر پیدا ہوتا ہو، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے جانور کے پیٹ سے پورا کا پورا صحیح و سالم بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم ان میں کسی کا کان کٹا ہوا پاتے ہو؟" (بخاری و مسلم) یعنی یہ مشرکین ہیں جو بعد میں اپنے اوہام جاہلیت کی بنا پر جانوروں کے کان کاٹتے ہیں، ورنہ خدا کسی جانور کو ماں کے پیٹ سے کٹے ہوئے کان لے کر پیدا نہیں کرتا۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے "میرا ربّ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (صحیح الفطرت) پیدا کیا تھا، پھر شیاطین نے آ کر ان کو ان کے دین (یعنی ان کے فطری دین) سے گمراہ کر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ اُن کو شریک کریں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی" (مسند احمد۔ مسلم نے بھی اِس سے ملتے جلتے الفاظ میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے)۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝	پھر الہام کیا اسکو اسکی بدکاری اور	8. Then inspired it with its wickedness and its

righteousness. *5	اسکی پرہیزگاری۔ *5	۸

*5 The word *ilham* is derived from *lahm* which means to swallow. According to this very basic meaning, the word *ilham* is used terminologically for Allah's inspiring a man with a concept or idea unconsciously. Inspiring the human self with its wickedness and its piety and virtue has two meanings:

(1) That the Creator has placed in it tendencies to both good and evil, and this is the thing that every man feels in himself.

(2) That Allah has endowed every man's unconscious mind with the concept that there is a moral good and there is a moral evil, that good morals and acts and evil morals and acts are not equal and alike. *Fujur* (immorality) is an evil thing and *taqva* (abstention from evils) a good thing. These concepts are not new to man; he is conscious of these by nature, and the Creator has endowed him with the ability to distinguish between good and evil naturally. This same thing has been said in Surah Al-Balad: And We showed him both the highways of good and evil. (verse 10); and in Surah Ad-Dahr, thus: We showed him the way, whether to be grateful or disbelieving (verse 3); and the same has been expressed in Surah Al-Qiyamah, saying: In man there is the reproaching self (conscience) which reproaches him when he commits evil (verse 2), and man knows his own self best, even though he may offer many excuses. (verses 14-15).

Here, one should also understand well that Allah has blessed every creature with natural inspiration according to its position and nature, as has been pointed out in Surah

TaHa: Who has given a distinctive form to everything and then guided it aright. (verse 50). For example, every species of animals has been given inspirational knowledge according to its needs by virtue of which the fish learns to swim, the bird to fly, the bee to make the beehive and the weaver-bird to build the nest instinctively. Man also in view of his different capacities has been granted separate kinds of inspirational knowledge. His one capacity is that he is an animal being; as such the most significant instance of the inspirational knowledge that he has been given is that the human child starts sucking the mother's milk soon on birth, which no one could teach it, had it, not been taught of it instinctively by God. Another position of man is that he is a rational being. As such God has been blessing him with inspirational guidance continuously since the time of his creation, by virtue of which he has been discovering things and making inventions to develop his civilization. Anyone who studies the history of these discoveries and inventions will realize that there was hardly any which might be the result of man''s own effort or thought, but mostly it so happened that suddenly an idea struck a person and he discovered or invented something. Besides these two, another position of man is that he is a moral being. In this position too Allah has blessed him by inspiration with discrimination between good and evil and of the realization of the good to be good and of the evil to be evil. This sense of discrimination and realization is a universal truth on account of which no human society in the world has ever been without the concepts of good and evil; there has never

been in history, nor is there now, a society which may not be having some kind of a system of rewarding the good and punishing the evil. This fact being prevalent in every age, at every place, and at every stage of civilization is a clear proof of its being natural and innate. Furthermore, this is also proof that a Wise Creator possessed of knowledge has endued man's nature with it, for in the elements of which man is made up and the laws which govern the material system of the world, no human origin of morals can be traced out.

5* الہام کا لفظ لہم سے ہے جس کے معنی نگلنے کے ہیں۔ لَھَمَ الشَّیْءَ وَالتُّھَمَۃَ کے معنی ہیں فلاں شخص نے اس چیز کو نگل لیا۔ اور اَلْھَمْتُہُ الشَّیْءَ کے معنی ہیں میں نے فلاں چیز اُس کو نگلوا دی یا اس کے حلق سے اتار دی۔ اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے الہام کا لفظ اصطلاح کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی تصور یا کسی خیال کو غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اتار دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نفسِ انسانی پر اس کی بدی اور اس کی نیکی و پرہیز گاری الہام کر دینے کے دو مطلب ہیں ۔ ایک یہ کہ اس کے اندر خالق نے نیکی اور بدی دونوں کے رجحانات و میلات رکھ دیے ہیں، اور یہ وہ چیز ہے جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کر دیے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی ہے اور کوئی چیز برائی، اچھے اخلاق و اعمال اور برے اخلاق و اعمال یکساں نہیں ہیں، فجور (بدکرداری) ایک قبیح چیز ہے اور تقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز۔ یہ تصورات انسان کے لیے اجنبی نہیں ہیں بلکہ اُس کی فطرت اِن سے آشنا ہے اور خالق نے برے اور بھلے کی تمیز پیدائشی طور پر اُس کو عطا کر دی ہے ۔ یہی بات سورۂ بلد میں فرمائی گئی ہے کہ وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ۔ ”اور ہم نے اس کو خیر و شر کے دونوں نمایاں راستے دکھا دیے “ (آیت ۱۰)۔ اِسی کو سورۂ دَھر میں یوں بیان فرمایا گیا ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔ ”ہم نے اس کو راستہ دکھادیا خواہ شاکر بن کر رہے یا کافر“(آیت ۳)۔ اور اسی بات کو سورۂ قیامہ میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے اندر ایک نفس لوّامہ (ضمیر) موجود ہے جو برائی

کرنے پر اسے ملامت کرتا ہے (آیت ۲) اور ہر انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے مگر وہ اپنے آپ کو خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہے (آیات ۱۴ تا ۱۵)۔

اِس جگہ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فطری الہام اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق پر اُس کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے کیا ہے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ اَلَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی۔ ”جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت عطا کی پھر راہ دکھائی“ (آیت ۵۰)۔ مثلاً حیوانات کی ہر نوع کو اس کی ضروریات کے مطابق الہامی علم دیا گیا ہے جس کی بنا پر مچھلی کو آپ سے آپ تیرنا، پرندے کو اُڑنا، شہد کی مکھی کو چھتہ بنانا اور بیئ کو گھونسلا تیار کرنا آجاتا ہے۔ انسان کو بھی اُس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے الگ الگ قسم کے الہامی علوم دیے گئے ہیں انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے اور اِس حیثیت سے جو الہامی علم اُس کو دیا گیا ہے اُس کی ایک نمایاں ترین مثال بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کا دُودھ چوسنا ہے جس کی تعلیم اگر خدا نے فطری طور پر اسے نہ دی ہوتی تو کوئی اسے یہ فن نہ سکھا سکتا تھا۔ اُس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک عقلی وجود ہے۔ اِس حیثیت سے خدا نے انسان کی آفرینش کے آغاز سے مسلسل اُس کو الہامی رہنمائی دی ہے جس کی بدولت وہ پے درپے اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدّن میں ترقی کرتا رہا ہے ۔ اِن ایجادات و اکتشافات کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو محض انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہو، ورنہ ہر ایک ابتدا اِسی طرح ہوتی ہے کہ یکایک کسی شخص کے ذہن میں ایک بات آگئی اور اُس کی بدولت اُس نے کسی چیز کا اکتشاف کیا یا کوئی چیز ایجاد کر لی۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان کی ایک اور حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے، اور اِس حیثیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و شر کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔ یہ امتیاز و احساس ایک عالمگیر حقیقت ہے جس کی بنا پر دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ خیر و شر کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے، اور کوئی ایسا معاشرہ نہ تاریخ میں کبھی پایا گیا ہے نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ اِس چیز کا ہر زمانے ہر جگہ اور ہر مرحلۂ تہذیب و تمدن میں پایا جانا اِس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے اور مزید براں یہ اِس بات کا ثبوت بھی

ہے کہ ایک خالقِ حکیم و دانا نے اِسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے ، کیونکہ جن اجزاء سے انسان مرکب ہے اور جن قوانین کے تحت دنیا کا مادّی نظام چل رہا ہے اُن کے اندر کہیں اخلاق کے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩	بیشک وہ فلاح پاگیا جسنے اسکو پاک کیا۔	9. Truly successful is he who purified it.
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠	اور بیشک وہ نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں ملایا۔ *6	10. And truly failed he who corrupted it. *6

*6 This is for which an oath has been sworn by the things mentioned in the above verses. Let us now consider how those things bear upon it. The rule that Allah has followed in the Quran is that to bear testimony to the truth that He wants to impress on the human mind, he cites some of the most conspicuous, common-place things which every man sees in his surroundings, or in his own self. Accordingly here, pairs of contradictory things have been cited, each unlike the other in its effects and results, rather opposite and reverse. The first pair is of the sun and the moon. The light of the sun is intensely bright and also hot. As against it the moon has no light of its own. Even if it is there in the sky when the sun shines, it is without light. It shines when the sun hides, and even then its light is neither so bright that it may change the night into day nor is there any heat in it that it may have the same effect as the sun's light. Nevertheless, it has its own effects which are quite different from the effects of the sun. Likewise, there is the pair of the day and the night. Each is the reverse of the other. The

effects and results of each are so different from the other that no one can say they are alike; so much so that even a most foolish person cannot possibly say that the day's being the day or the night's being the night does not make any difference. Likewise, there is the pair of the sky and the earth; the former has been raised high by the Creator and the latter spread like a carpet beneath it. Although both are serving the same universe, its system and expediencies, yet there is a world of difference between their functions and their effects and results. After citing these universal evidences, man's own self has been considered, and it has been said that after balancing it with suitable combination of the limbs, senses and mental powers and faculties the Creator has placed in it tendencies, inclinations and motives to both good and evil, which are contradictory to each other, and made him understand by inspiration the distinction between the two: that one is *fujur*, which is evil, and the other is *taqva*, which is good. Now, if the sun and the moon, the day and the night, the earth and the heaven, are not alike but necessarily different from each other in their effects and results, how can *fujur* and *taqva* of the self be alike in spite of being reverse of each other? Man himself in this world does not regard and acknowledge the good and the evil as equal, no matter what criteria of good and evil he might have devised for himself according to his self-propounded philosophies. In any case, about whatever he regards as good, he holds the opinion that it is appreciable and worthy of praise, reward and recompense. On the contrary, about whatever he regards as evil, it is his

own objective opinion that it is worthy of condemnation and punishment. But the real judgment does not lie with man; it lies with the Creator, Who has inspired man with his *fujur* and *taqva*. The *fujur* is that which is *fujur* in the sight of the Creator and the *taqva* is that which is *taqva* in His sight. And both have separate results in the sight of the Creator. The result of the one is that he who purifies his self, should attain to eternal success, and the result of the other is that he who suppresses his self, should be a failure. *Tazkiyah* means to purify, develop and cultivate. In the context it clearly means: The one who purifies his self of *fujur* and develops it to the level of *taqva* and cultivates in it the good, will attain to eternal success. As against this, the word *dassaha* has been used, the infinitive of which is *tadsiyah*, which means to suppress, conceal, seduce and lead astray. The meaning of this also becomes clear from the context; i.e. the one who suppresses the tendency in his self towards good instead of developing and cultivating it, who seduces it into doing evil, and makes *fujur* dominate over *taqva* so as to cover it up completely, like the dead body which is buried and covered with earth, will be a failure. Some commentators have interpreted this verse to mean: Truly successful was he whom (whose self) Allah purified, and a failure he whom (whose self) Allah suppressed. But this commentary is, firstly, opposed to the style of the Quran in view of the language, for if Allah had meant to say this, He would have said: Truly successful was the self which Allah purified and a failure the self which Allah suppressed; secondly, this commentary clashes with the

other statements of the Quran on this subject. In Surah Al-Aala, Allah says: Truly successful was he who adopted purity. (verse 14). In Surah Abasa, Allah has addressed His Messenger (peace be upon him), saying: And you would not be responsible if he did not adopt purity. In both these verses, adoption of purity has been regarded as an act of man. Besides, the truth stated at many places in the Quran is that man in this world is being put to the test. For example, in Surah Ad-Dahr, it is said: We created man from a mixed sperm-drop to try him, and so We made him capable of hearing and seeing. (verse 2). In Surah Al-Mulk it is stated: Who created death and life that he may try you to see which of you is best in deeds. (verse 2). Now, obviously, if the examiner at the outset encourages one candidate and discourages the other, the test would he a farce. Therefore, the correct commentary is that which Qatadah, Ikrimah, Mujahid and Saeed bin Jubair have given, saying that the subject *zakkaha* and *dassaha* is man and not God. As for the Hadith which Ibn Abi Hatim has related on the authority of Juwaybir bin Saeed from Dahhak from Ibn Abbas, saying that the Prophet (peace be upon him) himself interpreted this verse to mean: Truly successful was the self whom the Almighty Allah purified. This saying is not confirmed to be from the Prophet (peace be upon him), for its one reporter Juwaybir, has been rejected as a narrator of Hadith, and Dahhak did not meet Ibn Abbas. However, the Hadith which Imam Ahmad, Muslim, Nasai and Ibn Abi Shaibah have related on the authority of Zaid bin Arqam, is correct which says that the

Prophet (peace be upon him) used to pray: O Allah, grant my self its *taqva* and purify it; You alone are the best to purify it; You alone are its Guardian and Master. In almost similar words, this supplication of the Prophet (peace be upon him) has been related by Tabarani, Ibn Marduyah and lbn al-Mundhir from Abdullah bin Abbas and Imam Ahmad from Aishah. It actually means that man can only desire and seek *taqva* and *tazkiyah*; as for its attainment, it depends in any case on Allah's grace and favor alone. And the same is also true of *tadsiyah*: Allah does not suppress a self forcibly, but when a man is resolved on iniquity, Allah deprives him of the grace of *taqva* and *tazkyah*, and leaves him alone to suppress and bury his self under any heap of filth he likes.

*6 یہ ہے وہ بات جس پر اُن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہوئی ہیں ۔ اب غور کیجیے کہ وہ چیزیں اِس پر کس طرح دلالت کرتی ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ جن حقائق کو وہ انسان کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے ، اُن کی شہادت میں وہ سامنے کی چند ایسی نمایاں ترین چیزوں کو پیش کرتا ہے جو ہر آدمی کو اپنے گرد و پیش کی دنیا میں ، یا خود اپنے وجود میں نظر آتی ہیں۔ اِسی قاعدے کے مطابق یہاں دو دو چیزوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں پیش کیا گیا ہے جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں اس لیے اُن کے آثار اور نتائج بھی یکساں نہیں ہیں بلکہ لازمی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک طرف سورج ہے اور دوسری طرف چاند۔ سورج کی روشنی نہایت تیز ہے اور اس میں گرمی بھی ہے۔ اس کے مقابلہ میں چاند اپنی کوئی روشنی نہیں رکھتا۔ سورج کی موجودگی میں وہ آسمان پر موجود بھی ہو تو بے نور ہوتا ہے ۔ وہ اُس وقت چمکتا ہے جب سورج چھپ جائے اور اُس وقت بھی اس کی روشنی نہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ رات کو دِن بنا دے، نہ اُس میں کوئی گرمی ہوتی ہے کہ وہ کام کر سکے جو سورج کی گرمی کرتی ہے ۔ لیکن اُس کے اپنے کچھ اثرات ہیں جو سورج کے اثرات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک طرف دن ہے اور دوسری طرف

رات۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں کے اثرات اور نتائج باہم اس قدر مختلف ہیں کہ کوئی اُن کو یکساں نہیں کہہ سکتا حتیٰ کہ ایک بے وقوف سے بے وقوف آدمی کے لیے بھی یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ رات ہوئی تو کیا اور دن ہوا تو کیا، کسی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح ایک طرف آسمان ہے جسے خالق نے بلند اٹھایا ہے اور دوسری طرح زمین ہے جسے پیدا کرنے والے نے آسمان کے نیچے فرش کی طرح بچھا دیا ہے۔ دونوں اگرچہ ایک ہی کائنات اور اس کے نظام اور اس کی مصلحتوں کی خدمت کر رہے ہیں، لیکن دونوں کے کام اور ان کے اثرات ونتائج میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اِن آفاقی شہادتوں کو پیش کرنے کے بعد خود انسان کے اپنے نفس کو لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسے اعضا اور حواس اور ذہنی قوتوں کے متناسب امتزاج سے ہموار کر کے خالق نے اس کے اندر بھلائی اور بڑائی، دونوں کے میلانات، رُجحانات اور محرکات رکھ دیے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور الہامی طور پر اسے اِن دونوں کا فرق سمجھا دیا ہے کہ ایک فجور ہے اور وہ بری چیز ہے، اور دوسرا تقویٰ ہے، اور وہ اچھی چیز۔ اب اگر سورج اور چاند، دن اور رات، زمین اور آسمان یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے اثرات اور نتائج ایک دوسرے سے لازمًا مختلف ہیں، تو نفس کا فجور اور تقویٰ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ انسان خود اِس دنیا میں بھی نیکی اور بدی کو یکساں نہیں سمجھتا اور نہیں مانتا۔ خواہ اس نے اپنے بنائے ہوئے فلسفوں کی رو سے خیر و شر کیسے کچھ بھی معیار تجویز کر لیے ہوں، بہرحال جس چیز کو بھی وہ نیکی سمجھتا ہے اس کے متعلق وہ یہ رائے رکھتا ہے کہ وہ قابل قدر ہے، تعریف اور صلے اور انعام کی مستحق ہے۔ بخلاف اِس کے جس چیز کو بھی وہ بدی سمجھتا ہے، اس کے بارے میں اس کی اپنی بے لاگ رائے یہ ہے کہ وہ مذمت اور سزا کی مستحق ہے۔ لیکن اصل فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اُس خالق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کا فجور اور تقویٰ اُس پر الہام کیا ہے۔ فجور وہی ہے جو خالق کے نزدیک فجور ہے اور تقویٰ وہی ہے جو اس کے نزدیک تقویٰ ہے۔ اور خالق کے ہاں اِن دونوں کے دو الگ نتائج ہیں۔ ایک کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے وہ فلاح پائے، اور دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کو دبا دے وہ نامراد ہو۔

تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا ابھارنا اور نشو نما دینا۔ سیاق و سباق سے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو اپنے

نفس کو فجور سے پاک کرے، اس کو اُبھار کر تقویٰ کی بلندی پر لے جائے اور اُس کے اندر بھلائی کو نشوونما دے وہ فلاح پائے گا۔ اس کے مقابلہ میں دَسّٰھَا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مصدر تَدْسِیَہ ہے۔ تدسیہ کے معنی دبانے، چھپانے، اغوا کرنے اور گمراہ کر دینے کے ہیں۔ سیاق و سباق سے اس کا مطلب بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ شخص نامراد ہو گا جو اپنے نفس کے اندر پائے جانے والے نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور نشوونما دینے کے بجائے اُن کو دبا دے، اُس کو بہکا کر برائی کے رجحانات کی طرف لے جائے، اور فجور کو اُس پر اتنا غالب کر دے کہ تقویٰ اس کے نیچے اِس طرح چھپ کر رہ جائے جیسے ایک لاش قبر پر مٹی ڈال دینے کے بعد چھپ جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے ان آیات کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰی اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰی اللّٰہُ نَفْسَہٗ، یعنی فلاح پا گیا وہ جس کے نفس کو اللہ نے پاک کر دیا اور نامراد ہوا وہ جس کے نفس کو اللہ نے دبا دیا۔ لیکن یہ تفسیر اول تو زبان کے لحاظ سے قرآن کے طرزِ بیان کے خلاف ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہی بات کہنی مقصود ہوتی تو وہ یوں فرماتا کہ قَدْ اَفْلَحَتْ مَنْ زَکّٰھَا اللّٰہُ وَقَدْ خَابَتْ مَنْ دَسّٰھَا اللّٰہُ (فلاح پا گیا وہ نفس جس کو اللہ نے پاک کر دیا اور نامراد ہو گیا وہ نفس جو اللہ نے دبا دیا)۔ دوسرے یہ تفسیر اِسی موضوع پر قرآن کے دوسرے بیانات سے ٹکراتی ہے۔ سورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی، "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی" (آیت ۱۴)۔ سورۂ عَبَسَ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی، "اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی نہ اختیار کرے"۔ اِن دونوں آیتوں میں انسان کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ مثلاً سورۂ دہر میں فرمایا "ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کی آزمائش کریں اِسی لیے اُسے ہم نے سمیع و بصیر بنایا" (آیت ۲)۔ اور سورۂ ملک میں فرمایا "جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تمہیں آزمائے کون تم میں بہتر عمل کرنے والا ہے" (آیت ۲)۔ اب یہ ظاہر ہے کہ امتحان سرے سے ہی بے معنی ہو جاتا ہے اگر امتحان لینے والا پہلے ہی ایک امیدوار کو ابھار دے اور دوسرے کو دبا دے۔ اس لیے صحیح تفسیر وہی ہے کہ جو قتادہ، عکرمہ مجاہد اور سعید بن جبیر نے بیان کی ہے کہ زَکّٰھَا اور دَسّٰھَا کا فاعل بندہ ہے نہ کہ خدا۔ رہی وہ حدیث جو ابن ابی حاتم نے عن جویبر بن سعید عن الضحاک

عن ابن عباس کی سند سے نقل کی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کا مطلب یہ بیان
فرمایا کہ اَفۡلَحَتۡ نَفۡسٌ زَکّٰٮهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ (فلاح پا گیا وہ نفس جس کو اللہ عزوجل نے پاک کر دیا، تو یہ ارشاد در
حقیقت حضور سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں جوَیبر متروک الحدیث ہے اور ابن عباس سے ضحاک
کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ البتہ وہ حدیث صحیح ہے جو امام احمد، مسلم، نِسائی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت زید
بن اَرقم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اٰتِ نفسی تقواھا وزَکِّھا انتَ خیرُ من زکّاھا،
انت ولیُّھا ومَولاھا۔ "خدایا میرے نفس کو اُس کا تقویٰ عطا کر اور اس کو پاکیزہ کر، تو ہی وہ بہتر ہستی ہے جو اس کو
پاکیزہ کرے، تو ہی اُس کا سرپرست اور مولیٰ ہے"۔ اِسی سے ملتے جلتے الفاظ میں حضورؐ کی یہ دعا حضرت عبد
اللہ بن عباسؓ طبرانی، ابن مردُویہ اور ابن المنذر نے اور حضرت عائشہؓ سے امام احمد نے نقل کی ہے۔ اس کا
مطلب در حقیقت یہ ہے کہ بندہ تو صرف تقویٰ اور تزکیہ کی خواہش اور طلب ہی کر سکتا ہے، رہا اس کا نصیب
ہو جانا، تو وہ بہر حال اللہ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔ اور یہی حال تدسیہ کا بھی ہے کہ اللہ زبردستی کسی کے نفس
کو نہیں دباتا، مگر جب بندہ اُس پر تل جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے تقویٰ اور تزکیہ کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے اور
اُسے چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے نفس کو جس گندگی کے ڈھیر میں دبانا چاہے دبا دے۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰٮهَآ ۖ ۙ ﴿۱۱﴾	جھٹلایا ثمود نے *7 اپنی سرکشی کے سبب *8۔	11. Denied Thamud *7 because of their transgression. *8

*7 The things stated in principle in the above verses are now being explained by an historical precedent. Of what it is a precedent and how it relates to what has been stated above, one should consider well in the light of the other statements of the Quran the two basic truths which have been expressed in verses 7-10.

Firstly, in these it has been stated that after creating the human self on balanced and sound nature, Allah inspired it with its *fujur* and its *taqva*. The Quran along with stating

this truth also makes explicit that this inspirational knowledge of *fujur* and *taqva* is not enough for every man that he may by himself obtain detailed guidance from it, but for this purpose Allah gave detailed guidance to the Prophets through revelation in which it was explained what is *fujur* and what it applies to, which one should avoid, and what is *taqva* which one should attain and develop. If man does not accept and acknowledge this clear and definite guidance sent down through Revelation, he can neither avoid *fujur* not find the way to *taqva*.

Secondly, in these verses it has been stated that, the rewards and punishments are the necessary results which accrue from adoption of either *fujur* or *taqva* The result of cleansing the self of *fujur* and developing it with *taqva* is eternal success and the result of suppressing its good tendencies and causing it to be overwhelmed with *fujur* is failure, ruin and destruction.

To make man understand this truth a historical precedent is being cited and for this the tribe of Thamud has been taken as an illustration, for the various tribes destroyed in antiquity the territory of the Thamud was closest to Makkah. In northern Hijaz its historical ruins were extant, which the people of Makkah passed by during their trade journeys to Syria, and the way this tribe has been frequently referred to in the pre-Islamic poetry shows that its destruction was a common subject of talk among the Arabs.

*7 اوپر کی آیات میں جن باتوں کو اصولاً بیان کیا گیا ہے اب انہی کی وضاحت ایک تاریخی نظیر سے کی جارہی

ہے۔ یہ کس بات کی نظیر ہے اور اوپر کے بیان سے اس کا کیا تعلق ہے، اس کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کے دوسرے بیانات کی روشنی میں اُن دو بنیادی حقیقتوں پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے جو آیات ۷ تا ۱۰ میں بیان کی گئی ہیں۔

اولاً ان میں فرمایا گیا ہے کہ نفس انسانی کو ایک ہموار و مستقیم فطرت پر پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اُس کا فجور اور اُس کا تقویٰ اُس پر الہام کر دیا۔ قرآن مجید اِس حقیقت کو بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ فجور و تقویٰ کا یہ الہامی علم اِس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہر شخص خود ہی اُس سے تفصیلی ہدایت حاصل کر لے، بلکہ اِس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو مفصل ہدایت دی جس میں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا کہ فجور کا اطلاق کن کن چیزوں پر ہوتا ہے جن سے بچنا چاہیے اور تقویٰ کس چیز کا نام ہے اور وہ کیسے حاصل ہوتا ہے۔ اگر انسان وحی کے ذریعہ سے آنے والی اِس واضح ہدایت کو قبول نہ کرے تو وہ نہ فجور سے بچ سکتا ہے نہ تقویٰ کا راستہ پا سکتا ہے۔

ثانیاً اِن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ جزا اور سزا وہ لازمی نتائج ہیں جو فجور اور تقویٰ میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مرتب ہوتے ہیں۔ نفس کو فجور سے پاک کرنے اور تقویٰ سے ترقی دینے کا نتیجہ فلاح ہے، اور اس کے اچھے رجحانات کو دبا کر فجور میں غرق کر دینے کا نتیجہ نامرادی اور ہلاکت و بربادی۔

اسی بات کو سمجھانے کے لیے ایک تاریخی نظیر پیش کی جا رہی ہے اور اس کے لیے ثمود کی قوم کو بطور نمونہ لیا گیا ہے، کیونکہ پچھلی تباہ شدہ قوموں میں سے جس قوم کا علاقہ اہلِ مکہ سے قریب ترین تھا وہ یہی تھی۔ شمالی حجاز میں اُس کے تاریخی آثار موجود تھے جن سے اہلِ مکہ شام کی طرف اپنے تجارتی سفروں میں ہمیشہ گزرتے رہتے تھے، اور جاہلیت کے اشعار میں جس طرح اس قوم کا ذکر کثرت سے آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب میں اس کی تباہی کا چرچا عام تھا۔

***8 Denied the truth: belied the Prophethood of the Prophet Salih (peace be upon him), who was sent for their guidance. On account of their rebellious attitude they were not prepared to give up the *fujur* in which they were involved,**

and they were not inclined to accept the *taqva* to which the Prophet Salih (peace be upon him) was calling them. For details, see Surah Al-Aaraf, Ayats 73-76; Surah Houd, Ayats 61-62; Surah Ash-Shuara, Ayats 141-153; Surah An-Naml, Ayats 45-49; Surah Al-Qamar, Ayats 23-25.

*8 یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کو جھٹلا دیا جو اُن کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے ، اور اِس جھٹلانے کی وجہ اُن کی یہ سرکشی تھی کہ وہ اُس فجور کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے اور اُس تقویٰ کو قبول کرنا انہیں گوارا نہ تھا جس کی طرف حضرت صالح انہیں دعوت دے رہے تھے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاعراف، آیات ۷۳ تا ۷۶ ۔ ہود، آیات ۶۱-۶۲۔ الشعراء، آیات ۱۴۱ تا ۱۵۳۔ النمل، آیات ۴۵ تا ۴۹۔ القمر، آیات ۲۳ تا ۲۵۔

12. When was sent forth the most wretched of them.	جب بھیجا گیا ان کا نہایت بدبخت ۔	اِذِ انۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ﴿۱۲﴾
13. Then spoke to them, the messenger of Allah: "(It is) the she camel of Allah and (do not stop) her drink." *9	تو کہا ان سے اللہ کے رسول نے (یہ ہے) اللہ کی اونٹنی اور (مت روکو) اسکا پینا ۔ *9	فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ﴿۱۳﴾

*9 At other places in the Quran the following details, are given: The people of Thamud challenged the Prophet Salih (peace be upon him) to present a sign (a miracle) if he was truthful. Thereupon the Prophet (peace be upon him) presented a she-camel miraculously before them and warned them to the effect: This is Allah's she-camel. She will graze at will in the land. One day will be for her to

drink and one day for you and your cattle. If you molest her, you will be punished with a scourge. This proved to be a deterrent for some time. Then they appealed to their most wicked and rebellious chief to put an end to the she-camel, and he took up the responsibility and hamstrung her. (Surah Al-Aaraf, Ayat 73; Surah Ash-Shuara, Ayats 134, 156; Surah Al-Qamar, Ayat 29).

*9 قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ثمود کے لوگوں نے حضرت صالح کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو۔ اس پر حضرت صالح نے ایک اونٹنی کو معجزے کے طور پر ان کے سامنے حاضر کر دیا اور اُن سے کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے، یہ زمین میں جہاں چاہے گی چرتی پھرے گی، ایک دن سارا پانی اس کے لیے مخصوص ہو گا اور دوسرا دن تم سب کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے رہے گا، اگر تم نے اس کو ہاتھ لگایا تو یاد رکھو کہ تم پر سخت عذاب نازل ہو جائے گا۔ اِس پر وہ کچھ مدّت تک ڈرتے رہے ۔ پھر انہوں نے اپنے سب سے زیادہ شریر اور سرکش سردار کو پکارا کہ اس اونٹنی کا قصہ تمام کر دے اور وہ اس کام کا ذمہ لے کر اٹھ کھڑا ہوا (الاعراف، آیت ۷۳، الشعراء، آیات ۱۵۴ تا ۱۵۶۔ القمر، آیت ۲۹)۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۖ ﴿١٤﴾	تو انہوں نے جھٹلایا اس کو پھر اس (اونٹنی) کو مار ڈالا۔ تو ہلاکت ڈالی انپر انکے رب نے انکے گناہ کے سبب۔ تو اس نے برابر کر دیا ان کو (نیست و نابود کر کے)۔ *10	14. So they denied him then hamstrung her *10 (she camel), so a destruction was brought down upon them by their Lord for their sin. So He leveled them (by destruction).

*10 According to Surah Al-Aaraf, Ayat 77, after they had killed the she-camel, the people of Thamud said to the

Prophet Salih (peace be upon him): Bring the scourge with which you threatened us. And according to Surah Houd, Ayat 65, the Prophet Salih (peace be upon him) said to them: Well, you have only three more days to enjoy yourselves in your houses. This is a limit that will not prove false.

10۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ اونٹنی کو مارنے کے بعد ثمود کے لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اب لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے (آیت ۷۷)۔ اور سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت صالح نے اُن سے کہا تین دن اپنے گھروں میں اور مزے کر لو، اس کے بعد عذاب آجائے گا اور یہ ایسی تنبیہ ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی (آیت ٦٥)۔

15. And He fears not consequences thereof. *11	اور نہیں خوف ہوتا اسے اسکے انجام سے۔ *11	وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

*11 That is, Allah is not like the kings of the world and the rulers of governments, who, when they want to take some action against a people, are compelled to consider what will be the consequences of their action. Allah's power is supreme. He had no apprehension that some supporting power of the Thamud would come out to avenge itself on Him.

11*یعنی اللہ دنیا کے بادشاہوں اور یہاں کی حکومتوں کے فرمانرواؤں کی طرح نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اِس اقدام کے نتائج کیا ہوں گے۔ اُس کا اقتدار سب سے بالاتر ہے۔ اُسے اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ ثمود کی حامی کوئی ایسی طاقت ہے جو اس سے بدلہ لینے کے لیے آئے گی۔